© rasailojaraid.com

چودھویں صدی ھجری کی ایک دینی درسگاہ

دارالعلوم دیوبند

مولانا محبوب الرحمان

دارالعلوم دیوبند کا ذکر آتا ہے، تو ھمارے سر عظمت و وقار کی اس فلک بوس عمارت کا تصور کرکے نیاز مندانہ جھک جاتے ھیں۔ اس مادر علمی سے ھزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں نے اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ برصغیر کے مشرقی کونہ اور مغربی حدود سے نکل کر ترکستان بلکہ مشرق وسطی تک کے علاقوں میں یہیں سے دینی علوم کی نہریں جاری ھوئیں ان میں جزائر شرق الہند کو بھی شامل کر لیجئیے تو نصف کرۂ ارض پر ابنائے دارالعلوم کی عملی ترکتازیاں نظر آئیں گی۔ اگر ھم یہ دعوی کریں کہ ابنائے دارالعلوم فریضہ قال اللہ و قال الرسول کا علم تھام کر دیارمغرب تک جا پہنچے تو یہ مبالغہ ھرگز نہیں ھوگا۔ ھمارے علم میں یہ بات بھی آئی کہ اس مادر علمی سے فیض یافتہ حاملین علم وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں میں بھی پہنچے جو اس وقت سوشلزم کے پنجہ تسلط میں ھیں۔ اور افغانستان جو آج کمیونزم کا شکار ھوا ہے اس میں کسی وقت تحریک آزادی ھند کا کیمپ قائم تھا۔ میری مراد تحریک ریشمی رومال سے ہے جس کے روح و رواں اس مادر علمی کے سب سے اول متعلم اور بعد میں صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود حسن رح تھے۔

راقم کا نظریہ ہے کہ برصغیر میں تین تحریکیں جو مختلف اوقات میں اٹھیں ان میں سے ایک بھی اگر اپنے منطقی انجام کو پہنچ پاتی تو پورے برصغیر کا نقشہ اس نقشہ سے مختلف ھوتا جو اس وقت ھمارے سامنے ہے۔ پہلی تحریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی احیائے خلافت کی تحریک ہے جسے ٹھوس منصوبہ بندی کے تحت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقرر کردہ خطوط پر اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں شروع کیا گیا۔ اس کا آغاز ہی جہاد بالسیف کی صورت میں اعلائے کلمۃ الحق سے ہوا۔ اگرچہ اسے ابتداء میں خاصی کامیابی ہوئی لیکن بالآخر غداروں کی غداری نے اسے ناکامی سے دوچار کیا۔ مجاہدین سر زمین بالاکوٹ کو اپنے خون سے رنگین کرکے آئندہ کسی دوسرے ہاتھ کے لئے ذمہ داری چھوڑ کر خود پردہ خاک میں روپوش ہو گئے۔ اسلام کے یہ جانباز جو پہاڑی دروں سے گزر کر وطن سے دور اس بیابان میں پہنچے تھے، سکھوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اور جو باقی رہ گئے وہ کسی طرح جان بچا کر ہندوستان پہنچے اور اپنی قوت کو مرتکز کرنے میں مصروف ہو گئے۔ اگرچہ انہیں مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن انھوں نے کسی نہ کسی صورت میں اپنا کام جاری رکھا تا آنکہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کا پرچم بلند ہوا۔ اصل میں ۱۸۵۷ء کی یہ تحریک آزادی ہند پورے برصغیر کے مسلمانوں کی انگریزوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک اجتماعی کوشش تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ تحریک بھی پروان نہ چڑھ سکی۔ یہاں بھی غداروں کی غداری نے بچھی ہوئی بساط الٹ دی اور مسلمان جیتی ہوئی بازی ہار گئے۔

عین اس وقت جبکہ انگریزی لشکر ہر طرف سے بڑھ رہا تھا، شاملی کے میدان میں اللہ تعالی کے ان سرفروش سپاہیوں نے ان کا راستہ روکا۔ اس معرکہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح امام مقرر ہوئے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رح سپہ سالار افواج مقرر ہوئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رح قاضی مقرر ہوئے۔ مولانا محمد منیر اور حافظ ضامن تھانوی میمنہ اور میسرہ کے افسر مقرر ہوئے۔ اعلان جہاد ہوا۔ تھوڑی مدت میں مسلمان جوق درجوق سر پر کفن باندھے جمع ہو گئے۔ اگرچہ ہتھیار پرانی وضع کے تھے۔ مسلمانوں نے تھانہ بھون میں اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت قائم کرلی ۔ انگریز کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً توپ خانہ سہارنپور سے شاملی بھیجدیا ۔ ایک پلٹن اس توپخانہ کے ہمراہ تھی ۔ لوگوں کو تشویش ہوئی ۔ حضرت گنگوہی رح نے فرمایا ''فکر مت کرو،، سڑک باغ کے کنارہ سے گزرتی تھی ۔ حضرت گنگوہی رح نے تیس چالیس آدمی اپنے ہمراہ لئے اور گھات لگا کر بیٹھ گئے ۔ جب پلٹن قریب سے گزری تو سب نے یکدم فائر کیا ۔ پلٹن گھبرا گئی ۔ اور توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ گئی ۔ شاملی اس زمانہ میں مرکزی مقام تھا اور ضلع سہارنپور کی ایک تحصیل شمار ہوتا تھا ۔ فیصلہ ہوا کہ اس پر حملہ کرکے قبضہ کیا جائے ۔ چنانچہ حملہ کیا گیا اور قبضہ کر لیا گیا ۔ جو پولیس اور فوج تھی مغلوب ہو گئی ۔ لیکن اس موقع پر حافظ ضامن شہید ہو گئے ۔ ان کی شہادت کے ساتھ ہی معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ۔ پھر خبریں آنے لگیں، آج انگریزوں نے فلاں مقام پر قبضہ کر لیا اور آج فلاں مقام پر ۔ پہلے تو یہ بات تھی کہ گورے سپاہی مسلمانوں سے چھپتے پھرتے تھے ۔ اور اب معاملہ اس کے برعکس ہوگیا ۔ بالآخر انگریزوں نے تھانہ بھون پر قبضہ کرلیا ۔ اور وہ قیامت ڈھائی جس کی مثال ملنی مشکل ہے ۔

اس کے بعد مسلمان ہمیں منتشر نظر آتے ہیں ۔ حضرت حاجی امداد اللہ ہجرت کرکے مکہ تشریف لے جاتے ہیں ۔ حضرت گنگوہی رح پکڑے جاتے ہیں حضرت نانوتوی انگریزوں کے ہاتھ نہیں لگتے ۔ انگریزوں کا ہندوستان پر قبضہ ایک مصیبت سے کم نہ تھا ۔ انگریز فاتح تھا ۔ پھر حاکم بن گیا ۔ اس نے یہاں کی تہذیب بدلنے کی کوشش کی ۔ رفتہ رفتہ عدالتی نظام بدلا ۔ پھر تعلیم کی باری آئی ۔ اس کے لئے انگریز نے مساجد سے مدارس و مکاتب علیحدہ کئے ۔ اسکولوں اور کالجوں کی بنیاد رکھی ۔ بدیسی زبان یعنی انگریزی کی حوصلہ افزائی شروع ہوئی ۔ نئی تعلیم کے دلدادہ اور فارغ التحصیل اشخاص کو اختیارات تفویض کئے گئے ۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کا نقشہ بدلنے لگا ۔ اس وقت اللہ تعالی کے ان بندوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا دل کڑھنے لگا۔ بوریہ نشین تھے۔ ظاہری مال و دولت سوائے ایمان کے کچھ نہ تھا۔ بہرحال اللہ تعالی کا نام لےکر ایک جگہ جمع ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ کی تحریک احیائے دین اور احیائے خلافت زمانہ کے حوادث میں کہیں گم نہ ہو جائے۔ وہی تحریک جس کے لئے سید احمد شہید رحمۃ اللہ، شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ اور ان کے رفقائے کار نے اپنا خون دیکر آبیاری کی تھی۔ جس کی خاطر اس تحریک کے علمبرداروں نے مصائب جھیلے۔ قیدیں کاٹیں۔ جلاوطن ہوئے۔ بے آبرو ہوئے۔ اب وقت آگیا تھا کہ اس کا نئے سرے سے احیاء کیا جائے۔ تحریک احیائے اسلام جب ہم بولتے ہیں تو اس کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ یہ کوئی نئی تحریک ہے۔ جس کا سہرا ان حضرات کے سر ہے۔ بلکہ اس کا ایک سرا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک چلا جاتا ہے۔ جبکہ باپ نے چاہا کہ اپنے لخت جگر کو اسلام کی راہ میں قربان کردے۔ اور فرزند دلبند نے چاہا کہ اللہ کے حکم کے آگے گردن جھکا دے۔ اسے قرآن نے ''اسلما،، سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی دونوں باپ اور بیٹا اللہ کے حکم کے آگے جھک گئے۔

یہی وجوہ و اسباب تھے جن کے پیش نظر اب اللہ تعالی کے ان بندوں نے فیصلہ کیا کہ مدرسہ کی صورت میں ایک مرکز کی بنیاد رکھی جائے۔ یہی مرکز تحریک کی اساس ہوگا۔ اور اسی سے احیائے اسلام کا کام لیا جائے گا۔ اس موقع پر حاجی سید محمد عابد صاحب رحہ کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ آپ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحہ کے خلفائے عظام میں سے ہیں۔ حد درجہ کے عابد و زاہد اور متقی تھے۔ ان کو مدرسہ کی لگن لگی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے آپ نے اور مولانا مہتاب علی صاحب (عم بزرگ شیخ الہند) نے ۱۰ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۸ء بروز پنجشنبہ مدرسہ مذکور کی ابتدا کی۔ فراہمی چندہ کے لئے آپ نے رومال پھیلایا۔ اور پانچ روپیہ سب سے پہلے اپنی جیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ڈالے۔ اگلے روز حاجی عابد حسین رحمۃاللہ نے مولانا محمد قاسم نانوتوی کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے لئے دیوبند تشریف لائیے۔ مولانا نے جواب میں لکھا :-

''میں بہت خوش ہوا۔ خدا بہتر کرے۔ مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ روپے ماہوار مقرر کرکے بھیجتا ہوں۔ وہ پڑھا دیں گے۔ اور میں مدرسہ مذکور کے لئے مساعی رہوں گا''۔

چنانچہ زیر درخت انار مسجد چھتہ دیوبند میں مدرسہ مذکور کا افتتاح ہوا۔ سب سے پہلے متعلم محمود حسن (شیخ الہند) سب سے پہلے معلم ملا محمود، ساعت محمود یوم محمود (پنجشنبہ) ماہ محمود (محرم الحرام) تھا۔ پہلے سال یعنی ۱۲۸۳ھ کے اختتام پر مندرجہ ذیل کتب پڑھائی گئیں۔

شرح جامی، شرح وقایہ، میبذی، قطبی، اصول الشاشی، سراجی۔

سب سے پہلی مجلس شوری کے ارکان یہ ہیں :

(۱) مولانا محمد قاسم

(۲) حاجی عابد حسین

(۳) مولانا مہتاب علی

(۴) مولانا فضل الرحمان

(۵) مولانا ذوالفقار علی

(۶) شیخ نہال احمد

(۷) منشی فضل حق

تعلیم کا دور سب سے پہلے ۱۲۸۹ھ میں مکمل ہوا۔ سب سے پہلے پانچ طالبعلم یہاں سے فارغ ہوئے۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) مولانا محمود حسن (شیخ الهند)

(۲) مولانا عبدالحق

(۳) مولانا فخر الحسن گنگوهی

(۴) مولانا فتح محمد تھانوی

(۵) مولانا عبداللہ جلال آبادی

اول اول تو مدرسه اسی چھته والی مسجد میں رها ۔ پھر طلبه کی تعداد میں اضافه هوا تو دوسرے مکانات میں تبدیل هوتا رها ۔ پھر ضرورت هوئی که اسے کسی کشاده جگه منتقل کیا جائے ۔ اور اس کے محرک مولانا قاسم نانوتوی تھے ۔ ان کی انتھک کوششوں سے ابتداءً ایک چھوٹے سے دارالعلوم کی صورت گری هوئی ۔ اس وجه سے مولانا قاسم نانوتویؒ دارالعلوم کے بانی هیں ۔

روایت هے که سب سے پہلی اینٹ میاں منے شاه رحمة الله نے رکھی ۔ دوسری اینٹ حاجی عابد حسین نے اور تیسری گنگوهی رحمة الله نے اور اس کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ۔

سنگ بنیاد کے وقت مندرجه ذیل حضرات موجود تھے :

(۱) مولانا رشید احمد گنگوهی

(۲) مولانا محمد قاسم نانوتوی

(۳) مولانا شاه رفیع الدین

(۴) شاه منے صاحب

(۵) سید محمد عابد

(۶) شاه عبدالرحیم صاحب رامپوری

(۷) مولانا محمد یعقوب

(۸) مولانا محمود حسن (شیخ الهند)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۹) مولانا اشرف علی تھانوی

(۱۰) مولانا فضل الرحمن

(۱۱) شیخ نہال احمد

(۱۲) مولانا ذوالفقار علی

یہ دارالعلوم دیوبند کی ابتدائی مختصر تاریخ ہے۔ جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا قیام دارالعلوم کا اصل مقصد اس تحریک کو زندہ کرنا تھا جس کا نقشہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تیار کیا تھا۔ مشکل یہ تھی کہ انگریز اپنے قدم ہندوستان میں جما چکا تھا۔ اب ان سب کی نظریں اس بات پر مرکوز ہو گئیں۔کہ انگریز کو برصغیر سے نکالا جائے۔ اس دوران ہم مولانا قاسم نانوتویرح کے تذکرہ میں دیکھتے ہیں کہ آپ انگریز پادریوں کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ انگریز نے یہ کوشش کی کہ اپنے ہمراہ انگلستان سے پادری بر صغیر میں درآمد کرے۔ وہ کھلے بندوں سارے برصغیر میں گھومتے پھرتے اور مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرتے۔ مقصد یہ تھا کہ اسلام کے بارے میں لوگوں کے ذہن مشکوک کئے جائیں۔ مولانا قاسم نانوتوی کو اللہ نے ظاہری و باطنی کمالات سے نوازا تھا۔ علم بھی بلا کا تھا۔ نانوتوی رحمۃ اللہ نے عیسائی پادریوں سے مناظرے کئے۔ چنانچہ شاہجہاں پور کا مناظرہ مشہور ہے جس میں عیسائی پادری کو بری طرح شکست ہوئی۔ اسی طرح رڑکی کا مناظرہ مولانا کی کتاب ''قبلہ نما،، اس سلسلہ کی اہم دستاویز ہے۔

شروع میں میں نے ہندوستان کی تین تحریکوں کا حوالہ دیا تھا۔ دو تحریکوں کا اجمالی ذکر کیا ہے۔ ورنہ ہر تحریک کے لئے مستقل کتابیں موجود ہیں۔ اب تیسری تحریک کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔ جسے ''تحریک ریشمی رومال،، سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کے بانی شیخ الہند مولانا محمود حسن ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو اس وقت دارالعلوم دیو بند کے صدر مدرس تھے۔

اس تحریک کا مقصد خلیفہ ترکی کو آمادہ کرنا تھا کہ وہ اپنی فوجیں افغانستان کے راستہ ہندوستان میں داخل کرے۔ دراصل یہ تحریک مسلح جہاد کی مانند تھی۔ اس تحریک کے لئے شیخ الہند نے ھی خطوط متعین کئے تھے۔ اس تحریک کو بہت ھی خفیہ رکھا گیا۔ اور اس کے لئے ایک جماعت ''نظارۃالعارف،، کے نام سے بنائی گئی۔ اس میں شیخ الہند کےساتھ حکیم اجمل خاں اور نواب وقار الملک شریک تھے۔ پھر ڈاکٹر انصاری بھی شامل ھوگئے۔ مولانا عبیداللہ سندھی دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ انھیں دارالعلوم سے الگ کیا گیا۔ ظاھر یہ کیا گیا کہ مولانا سندھی اور دیگر علماء کا بعض علمی مسائل میں اختلاف ھو گیا ھے۔ اور اسی اختلاف کی بنیاد پر مولانا سندھی کو علیحدہ کرنا ضروری سمجھا گیا۔ بعد میں مولانا سندھی کو شیخ الہند نے کابل بھیجدیا۔ یہ کسی طرح چھپتے چھپاتے کابل پہنچ گئے۔ اس کے بعد کا حال مولانا سندھی کے اپنے الفاظ میں یوں ھے:-

''کابل جا کر مجھے معلوم ھوا کہ حضرت شیخ الہند جس جماعت کے نمائندے تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لئے تیار ھے۔ اس کو میرے جیسے ایک خادم کی اشد ضرورت ھے۔ اب مجھے اس ھجرت اور شیخ الہند کے اس انتخاب پر فخر محسوس ھونے لگا۔ میں سات سال تک حکومت کابل کی شرکت میں اپنا ہندوستانی کام کرتا رھا،،۔

ان حالات میں جب کہ حکومت کی سی آئی ڈی شدت سے اپنا کام کررھی تھی، بالخصوص اس زمانے میں جبکہ ذرائع نقل و حمل اور رسل و رسائل بڑے محدود تھے۔ پیغامات مختلف کوارٹرز تک پہنچانے کے لئے بہت زیادہ احتیاط کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت تھی۔ مثلاً ایک شخص پشاور سے شیخ الہند کے پاس حاضر ہوتا ۔ وہ کاغذ کے پھول اور گلدان بنانا جانتا تھا۔ حضرت اسے کابل کے لئے خط دیتے۔ وہ اسے پھول کی شکل میں بدلتا اور دیگر پھولوں کے ہمراہ گلدان کی صورت میں پشاور لیجاتا۔ کسی کو گمان تک بھی نہ ہوتا کہ کسی پھول میں خط بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح وہ شخص باقی پھول تو مقامی طور پر فروخت کر دیتا۔ لیکن اصل پھول کسی کابل والے کے ھاتھ میں تھما دیتا۔ جو اس غرض سے پشاور میں موجود ھوتا۔ اب دیکھئے کس قدر احتیاط برتی گئی۔ انہی ذرائع میں ایک ریشمی رومال بھی تھا۔ اگرچہ ریشمی رومال کی اھمیت بہت زیادہ ھے۔ اس لئے کہ اس پر فوجوں کی نقل و حرکت کے بارہ میں عبارت کاڑھی گئی تھی۔ گورنر حجاز کے دستخط غالباً حاصل کئے جا چکے تھے۔ اور اب اس پر کابل کے دستخطوں کی ضرورت تھی۔ اوریہ رومال کابل پہنچانا مقصود تھا۔ تاکہ وقت مقررہ پر ترکی کی فوجیں افغانستان کے راستہ ہندوستان میں داخل ھوں۔ لیکن وائے افسوس مخبروں کو خبر ھوگئی۔ اور یہ ریشمی رومال پکڑا گیا۔ ساری اسکیم بظاھر ناکام ھوگئی۔ عبارت دریافت کی گئی۔ شیخ الہند مع اپنے رفقاء گرفتار ھوگئے اور مالٹا پہنچا دئے گئے۔ اور وھاں پانچ سال تک مع اپنے رفقاء مولانا سید احمد مدنی، مولانا عزیر گل جو اب بھی بقید حیات ھیں اور حکیم نصرت حسین مصائب برداشت کر کے واپس ھوئے۔ موخرالذکر وھیں فوت ھوئے۔ ریشمی رومال پر بھی کتابیں لکھی گئی ھیں۔ جو حضرات اس تحریک کے متعلق جاننا چاھتے ھوں وہ ضرور مطالعہ کریں۔

یہ ان تین تحریکوں کا اجمالی تعارف تھا۔ جن کے بارے میں میرا نظریہ یہ ھے کہ اگر ان میں سے ایک بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتی تو برصغیر کا نقشہ آج کے نقشہ سے مختلف ھوتا۔ غرض یہ کہ دارالعلوم دیوبند ایک عظیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دینی درسگاہ سے زیادہ ایک تحریک کا نام ہے۔ جس نے تحریک ولی اللہی کو زندہ رکھا ۔ اور آج تک اس کے علم کو تھامے ہوئے ہے۔

آزادی ہند کے دوران ہمیں اس دارالعلوم سے وابستہ اکابر دو محاذوں پر لڑتے نظر آتے ہیں ۔ ان دونوں کا مقصد ایک ہی تھا کہ بدیسی حکمران کو برصغیر سے نکالا جائے ۔ اور بالآخر انگریز نکلنے پر مجبور ہوئے ۔ اس کے بعد برصغیر دو حصوں میں تقسیم ہوا ۔ تو پاکستان کا جھنڈا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی لہراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور مشرقی بازو میں یہی جھنڈا مولانا ظفر احمد عثمانی نے لہرایا ۔ پھر جب پاکستان کا دستور اساسی تیار ہوتا ہے تو اسمیں بھی مولانا عثمانی کا ہاتھ نظر آتا ہے ۔ برصغیر کے دوسرے حصہ میں مولانا حسین احمد مدنی اس مادر علمی کے تحفظ میں سر گرم رہے ۔ اور کسی موقع پر جب ان سے پاکستان کے بارے میں پوچھا گیا تو برجستہ فرمایا کہ پاکستان بن گیا ہے ۔ اور اس کی حفاظت کرنا تمہارا فرض ہے ۔ حقیقت میں دارالعلوم دیوبند بحیثیت مادرعلمی اور بحیثیت ایک مرکز تحریک احیائے اسلام وسیع و عریض مضمون کا حامل ہے ۔ جس پر ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے ۔ ان مختصر اوراق میں ان تمام پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش بذات خود بر صغیر کی اس عظیم درسگاہ سے ناانصافی ہے ۔ تاہم اس مادر علمی کے متعلق نذرانہ عقیدت کے طور پر چند اوراق لکھنے کی سعی کی ہے ۔ کیونکہ میں بھی ایک ایسے بزرگ اور عالم سے فیض یافتہ ہوں جنہوں نے اس مادر علمی میں درسیات کی تکمیل کی۔ اور گزشتہ سال دینی کام ہی کے دوران اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔

دارالعلوم دیوبند نے گزشتہ ایک صدی کے دوران ملت اسلامیہ کے لئے کیا خدمات سر انجام دیں ۔ اس کا ایک مختصر گوشوارہ ۱۲۸۳ھ تا ۱۳۸۲ھ درج ذیل ہے ۔

© rasailojaraid.com

اس صدی کے	دوران	اس مادر علمی نے	٥٣٦	مشائخ	پیدا	کئے
"	"	"	٥٨٨٨	مدرسین	"	"
"	"	"	١١٦٤	مصنفین	"	"
"	"	"	١٧٨٣	مفتی	"	"
"	"	"	١٥٤٠	مناظر	"	"
"	"	"	٦٨٣	صحافی	"	"
"	"	"	٢٢٨٨	خطیب و مبلغ	"	"
"	"	"	٢٨٨	طبیب	"	"

طلبائے قدیم درالعلوم نے ...٩ مدارس و مکاتب قائم کئے۔

(ماهنامه الحق جون ٧١ء)

اس مادر علمی سے فیض یافته اهل علم نے علم کی مشعل برابر روشن رکھی۔ جدید اور قدیم دارالعلوم، مدارس اور مکاتب اس وقت ملک میں برابر تشنگان علوم کو سیراب کر رہے هیں۔ ان سب درسگاهوں کا اصل سر چشمه وه مادر علمی هے جس نے اپنی زندگی کے سو سال پورے کر لئے هیں۔

آخر میں میں مناسب سمجھتا هوں که مسلک دیوبند کے متعلق مختصراً عرض کروں سو اس کے لئے میں نے دارالعلوم کے موجوده مهتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب کے الفاظ کا انتخاب کیا هے۔

"علمائے دیوبند اپنے مسلک اور دینی رخ کے لحاظ سے اهلسنت والجماعت هیں۔ اور اهل سنت کا بھی اصل هیں۔ هندوستان میں یه سلسله قوت کے ساتھ اجتماعی رنگ میں حضرت الامام حضرت شاه ولی الله دهلوی رحمة الله علیه سے زیاده پھیلا اور چمکا۔ اس سلسله کی وه کڑی آج هندوستان میں اهلسنت والجماعت کے مسلک کی ترجمان اور رواں دواں هے۔ علماء

© rasailojaraid.com

دیوبند ہیں جنہوں نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ اس سلسلہ کو مشرق سے مغرب تک پہنچایا اور پھیلایا . . . . .

پس مسلک علماء دیوبند محض اصول پسندی کا نام ہے ۔ نہ شخصیت پرستی کا ۔ نہ ان کے یہاں دین اور دینی تربیت کے لئے تنہا لٹریچر کافی ہے ۔ نہ تنہا شخصیت، نہ تنہا مطالعہ، نہ اپنا ذاتی ذہن غور و فکر کے لئے کافی ہے، نہ تنہا شخصیتوں کے اقوال و افعال پر اتکال اور بھروسہ ۔ بلکہ احوال و قانون اور ذوات و شخصیات اور بالفاظ مختصر لٹریچر بشرط معیت و ملازمت صدیقین سے اس مسلک کا مزاج بنا ۔ جس میں کسی ایک کے احترام سے قطع نظر جائز نہیں اور جبکہ جامعیت اور اعتدال اور احتیاط و میانہ روی ہی مسلک کا جوہر ہے تو دین کے ان تمام شعبوں اور علمی اصول میں قرآن و حدیث سے لے کر فقہ و کلام اور تصوف و اصول وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی جزئی پر جمنا اور حکمت و اعتدال کے ساتھ اسے مشعل راہ بنانا ہی اس مسلک کا امتیاز ہے ۔ اور ادھر ذوات اور شخصیات کی لائن میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلواۃ و السلام سے لے کر ائمہ، اولیاء، صلحاء، علماء مشائخ، صوفیاء اور حکماء کی ذوات قدسیہ تک کے بارے میں افراط و تفریط سے الگ رہ کر ان کی عظمت، متابعت پر قائم رہنا ہی اس مسلک کی امتیازی شان ہے“ ۔

© rasailojaraid.com